اسلام میں ضرر کی ممانعت: کرپٹو کرنسی کے تناظر میں

Prohibition of "Zarar" in Islam: The case of Crypto Currency

Dr. Muhammad Nouman Asghar
Dept of Islamic Thoughts and Civilization, UMT, Lahore.
Email: naumanasghar85@gmail.com

Muhammad Junaid Anwer
Lecturer, Dept of Fiqh and Shariah, IUB, Bahawalpur.
Email: junaidanwar@iub.edu.pk

Muhammad Ibrahim Salik
Associate Lecturer, Department of Translation Studies, Faculty of Islamic Learning,
The Islamia University of Bahawalpur
Email: ibrahimsalik@iub.edu.pk

ISSN (P):2708-6577
ISSN (E):2709-6157

Abstract

Virtual Currency also known as Crypto Currency has become people's new form of assets in recent times based on network that is distributed across a large number of computers. It is now important to figure out whether it is Sharia compliant or not. Virtual Currency has various characteristics which traditional currency doesn't have such as its availability only in digital form on computers and mobile phones, hidden identity of buyer and seller during transactions, not issued by any central authority and not controlled by any government or state bank. This decentralized structure of Virtual Currency is completely new and different from other traditional currencies; hence it has to be examined under Islamic Sharia Law. "Zarar" is one of the crimes which are prohibited in Islamic Law. While creating and dealing with Virtual Currency there are huge costs of electricity and mining hardware which is the example of "Zarar" and cannot be ignored. In this article it has been discussed in detail the concept of "Zarar" in Islam and has been explained how majority of people are involved in "Zarar" by dealing in Crypto Currency.

Keywords: Crypto Currency, Decentralized, Sharia compliant, Islamic Law, "Zarar"

تعارف:

اسلام نے اقوال و افعال میں جن امور کو ناجائز قرار دیا ہے ان میں سے ایک "ضرر" بھی ہے یعنی کسی بھی انسان کے لیے جائز نہیں کہ وہ جان بوجھ کر اپنے آپ کو یا کسی دوسرے کو نقصان میں مبتلا کرے۔ کوئی بھی ایسا عمل جس سے جانی یا مالی نقصان ہوتا ہو شریعت میں اسے ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح کوئی بھی ایسا فعل جو کسی ضرر تک پہنچنے کا سبب بن رہا ہو یا جس کے نتیجے میں وہ شخص خود یا دوسرے لوگ نقصان میں مبتلا ہو رہے ہوں اسے بھی اسلام میں ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ ویسے تو ضرر کے ناجائز ہونے کی دلیل کے طور پر بہت سے شرعی احکامات پیش کیے جاسکتے ہیں جو اسلام نے ہمیں اسی لیے دیے ہیں کہ لوگ ضرر میں مبتلا نہ ہوں اور کسی انسان کو دوسرے سے کسی قسم کا نقصان نہ پہنچے۔ ہر انسان پر دوسرے کی جان، مال اور عزت کا حرام ہونا اسی وجہ سے ہے کہ اس سے ضرر لاحق ہوتا ہے۔ ضرر کی ممانعت پر

ان عمومی احکام کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صراحت کے ساتھ ایک حدیث بھی مروی ہے جسے فقہاء بہت سے فقہی احکام و مسائل کی بنیاد قرار دیتے ہیں اور واقعہ بھی یہی ہے کہ اس حدیث میں ایک نہایت اہم فقہی اصول بتادیا گیا ہے جس کی مدد سے بہت سے فقہی مسائل اور جزئیات کا حکم بآسانی معلوم کیا جاسکتا ہے۔ یہ روایت حدیث کی بہت سی کتب میں موجود ہے اور کئی صحابہ سے مروی ہے۔ سنن ابن ماجہ میں ہے: عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَضَى أَنْ لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ [1] "حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ کسی کو نقصان نہ پہنچایا جائے، نہ ابتداء میں اور نہ ہی مقابلے میں۔"

یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے یعنی بظاہر صرف چار الفاظ کی حدیث ہے لیکن اس میں معانی اور فوائد کا ایک جہاں آباد ہے۔ اس حدیث سے ہمیں جو اصول معلوم ہوتے ہیں وہ درجِ ذیل ہیں:

1. اپنے آپ کو ضرر میں مبتلا کرنا درست نہیں چاہے جانی طور پر ہو یا مالی طور پر اور چاہے کسی بھی طریقے سے ہو۔
2. دوسروں کو ضرر میں مبتلا کرنا جائز نہیں چاہے اس میں اپنا فائدہ ہی کیوں نہ ہو۔
3. انسان کی جان، مال اور عزت سے متعلقہ جتنے مضرات اور نقصان دہ امور ہیں ان سب سے بچنا لازم ہے۔
4. اسلام کے مقاصد میں سے ہے کہ ضرر میں مبتلا ہونے سے بچا جائے اور اگر کوئی شخص ضرر میں مبتلا ہو چکا ہے تو اس سے ضرر کو دور کیا جائے۔
5. شریعتِ اسلامیہ کے جتنے بھی احکامات ہیں ان میں کسی قسم کا ضرر نہیں، بلکہ وہ احکامات ضرر دور کرنے کے لیے ہیں۔
6. یہ حدیث ایک عمومی قاعدہ اور اصول بیان کرتی ہے کہ ہر وہ عمل جس میں ضرر ہو وہ شرعی طور پر حرام ہو گا۔

مذکورہ حدیث میں دو الفاظ استعمال ہوئے ہیں، ایک "ضرر" اور دوسرا "ضرار"۔ حدیث کے شارحین نے ان دونوں میں فرق اس طرح کیا ہے کہ ضرر سے مراد ایسا عمل ہے جس میں خود اپنا فائدہ اور دوسرے کا نقصان ہو اور ضرار سے مراد ایسا عمل ہے جس میں اپنا فائدہ بھی نہ ہو اور دوسرے کا نقصان ہو جائے۔ بعض شارحین نے دونوں میں اس طرح فرق کیا ہے کہ ضرر سے مراد ہے ابتدائی طور پر کسی کو نقصان پہنچانا اور ضرار سے مراد ہے مقابلے میں کسی کو نقصان پہنچانا کہ فلاں نے مجھے نقصان پہنچایا تو میں بھی اسے نقصان پہنچاؤں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ضرر سے مراد ایسا عمل ہے جس میں دوسرے کو نقصان پہنچانے کا قصد نہ ہو اور ضرار سے مراد وہ عمل جس میں دوسرے کو نقصان پہچانے کا قصد کیا جائے اور کچھ شارحین کا کہنا ہے کہ یہ دونوں الفاظ ہم معنی ہیں اور حدیث میں تاکید کے لیے ان کا تکرار کیا گیا ہے۔[2] بہر حال اس حدیث سے شریعت کا یہ اصول معلوم ہو رہا ہے کہ کسی بھی شخص کے لیے ناحق دوسرے کو کسی بھی طرح نقصان پہنچانا جائز نہیں ہے چاہے قول سے ہو یا فعل سے بلکہ اگر سبب کے درجے میں ہو تب بھی جائز نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کسی عمل کے کرنے سے خود کو فائدہ ہو رہا ہو لیکن ساتھ ہی اس عمل سے دوسرے کا نقصان بھی ہو رہا ہو تو اس اصول کے تحت دوسرے کو نقصان سے بچانا ضروری ہو گا اور اس مقصد کے لیے وہ عمل ترک بھی کرنا پڑے تو اسے ترک کر دیا جائے گا۔ بعض روایات میں اس حدیث کے سببِ ورود سے متعلق یہ تفصیل ملتی ہے کہ ایک کھجور کا درخت دو لوگوں کے درمیان مشترک تھا، ان کا کسی بات پر آپس میں جھگڑا ہوا تو وہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ ان میں سے ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ اس درخت کو دو ٹکڑے

کر کے ہمارے درمیان تقسیم کر دیں جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لاضرر فی الاسلام یعنی اسلام میں کسی کو ضرر میں مبتلا کرنا جائز نہیں۔3

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس لیے فرمایا کہ درخت کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کرنے کے لیے لازمی طور پر اسے اکھاڑنا پڑے گا اور ایسا کرنے سے درخت بے فائدہ ہو جائے گا کیونکہ جب تک درخت موجود ہے اس کے پھل اور سائے سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے جبکہ درخت اکھاڑ دینے سے یہ فوائد حاصل نہیں ہو سکتے بلکہ ایسا کرنے میں دونوں کا نقصان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو ضرر سے بچانے کے لیے درخت اکھاڑ کر تقسیم کرنے سے منع فرمایا، حالانکہ مطالبہ کرنے والا شخص اس درخت میں آدھے حصے کا شراکت دار تھا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنے آپ کو اور دوسروں کو کسی قسم کے ضرر میں مبتلا کرنا جائز نہیں ہے۔

دفعِ ضرر اور احکام شرعیہ:

شریعت کے بہت سے احکام کا دارومدار اس بات پر ہے کہ لوگوں کو ضرر سے بچایا جائے یعنی اسلام میں بہت سے احکامات اس لیے دیے گئے ہیں تاکہ انفرادی و اجتماعی طور پر لوگوں سے ضرر کو دور کیا جائے۔ ذیل میں ہم ان میں سے چند احکامات کا ذکر کرتے ہیں جس سے یہ معلوم ہو گا کہ شریعت میں دفعِ ضرر کو کتنی اہمیت دی گئی ہے:

- خیارِ عیب یعنی شریعت نے چیز خریدنے والے کو یہ اختیار دیا ہے کہ اگر اس میں کوئی ایسا عیب نکل آئے جو پہلے سے موجود تھا تو خریدنے والے کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ چیز واپس کر کے اپنی رقم وصول کرلے تاکہ خریدنے والے کو ضرر نہ ہو۔
- حجر کے احکام یعنی جب کوئی بچہ یا پاگل کسی قسم کے مال کا مالک ہو تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ ان کو خود مال میں تصرف نہ کرنے دیا جائے بلکہ ان کا ولی جو صحیح العقل ہو وہ ضرورت کے مطابق ان کا مال انہی پر خرچ کرے، تاکہ مال کی حفاظت ہو، ورنہ اسے بے دریغ خرچ کرنے سے اس بچے یا پاگل کو مالی طور پر ضرر لاحق ہو گا۔ اسی طرح اگر مال میں قرض خواہ بھی حصہ دار ہوں تو ولی کو مال سپرد کرنے سے قرض خواہ بھی ضرر سے بچ جائیں گے اور اپنا قرض وصول کر سکیں گے۔
- شفعہ کے احکام یعنی اگر کوئی شخص زمین یا مکان بیچنا چاہتا ہے تو شرعی حکم یہ ہے کہ اسے خریدنے کا سب سے پہلا حق پڑوسی کا ہے اور اس مقصد کے لیے وہ عدالت میں دعویٰ بھی دائر کر سکتا ہے۔ یہ حق اس لیے دیا گیا ہے تاکہ وہ برے پڑوسی کے ضرر سے بچ سکے، کیونکہ عین ممکن ہے کہ اس مکان یا زمین کو کوئی ایسا شخص خرید لے جو فساد مچانے والا اور لوگوں کو تنگ کرنے والا ہو۔ اس ضرر سے بچانے کے لیے پڑوسی کو حقِ شفعہ دیا گیا ہے۔
- حدود و قصاص کے احکام یعنی قتل، زنا، تہمت، چوری، ڈکیتی اور شراب پینے کی جو سزائیں مقرر کی گئی ہیں اس کا مقصد بھی دفعِ ضرر ہے۔ قصاص اس لیے ہے تاکہ انسانی جان کی حفاظت ہو اور مقتول کے اولیاء سے ضرر دور ہو۔ زنا کی سزا اس لیے ہے تاکہ انسانی نسل کی حفاظت ہو۔ تہمت کی سزا اس لیے ہے تاکہ انسانی عزت کی حفاظت ہو۔ چوری اور ڈکیتی کی سزائیں اس لیے مقرر کی گئیں تاکہ انسانی مال کی حفاظت ہو اور شراب پینے کی سزا اس لیے ہے تاکہ انسانی عقل کی حفاظت ہو اور اس کے نتیجے میں جو جانی و مالی ضرر لاحق ہو سکتا ہے اس سے بچا جائے۔ گویا ان تمام حدود و قصاص کی بنیادی غرض یہی ہے کہ لوگوں کو اجتماعی طور پر ضرر سے بچایا جائے۔
- ضمان سے متعلقہ احکام یعنی اگر کوئی شخص کسی دوسرے کا جان بوجھ کر مالی نقصان کر دے تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ اس سے ضمان لے کر نقصان کو پورا کیا جائے گا تاکہ ضرر لازم نہ آئے۔[4]

یہ شرعی احکام کی چند مثالیں ذکر کر دی گئیں جن سے ان احکام کی حقیقت اور روح کا پتہ چلتا ہے اور یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام میں دفعِ ضرر کا بہت زیادہ خیال رکھا گیا ہے یعنی اسلامی احکام کی مشروعیت اس وجہ سے بھی ہوئی ہے کہ لوگوں سے ضرر کو دور کیا جائے اور ہر ایسے عمل سے باز رہا جائے جس سے دوسروں کو نقصان پہنچتا ہو۔

ضرر سے متعلق قواعدِ فقہیہ:

ضرر کے بارے میں جو اہم ترین حدیث ذکر کی گئی اسے فقہاء ان احادیث میں شمار کرتے ہیں جو اسلامی فقہ کی اساس اور بنیاد ہیں اور جس سے بہت سے ذیلی فقہی اصول اور ان اصولوں کی روشنی میں بہت سے مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ فقہاء نے ضرر سے متعلق جو ذیلی اصول اخذ کیے ہیں انہیں جاننا انتہائی ضروری ہے تاکہ معلوم ہو کہ اسلام ضرر سے متعلق کیا اصولی ہدایات دیتا ہے؟

1- الضرر یدفع بقدر الإمکان

اس قاعدے کا مطلب یہ ہے کہ ضرر کو ممکن حد تک دور کیا جائے گا اور جس قدر جلد ہو سکے ضرر سے چھٹکارا حاصل کیا جائے گا۔ اسلام اس بات کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا کہ ضرر پہلے ثابت ہو جائے اور اپنی جڑیں بنا لے پھر اسے ختم کرنے کی کوشش کی جائے بلکہ شریعت یہ کہتی ہے کہ ضرر کے ثابت ہونے اور قرار پکڑنے سے پہلے ہی اس کا ازالہ کر دیا جائے کیونکہ احتیاط علاج سے بہر حال مقدم ہے۔ البتہ اگر ضرر ثابت ہو جائے تو پھر اسے بالکلیہ ختم کرنے کی کوشش کی جائے گی اور اگر اس کا مکمل طور پر خاتمہ ممکن نہ ہو تو پھر جس قدر ہو سکے اس کا ازالہ کیا جائے گا اور ضرر کو لوگوں سے دور کرنے کی کوشش کی جائے گی۔[5]

2- الضرر یُزال

اس قاعدے کا مطلب یہ ہے کہ ضرر کو زائل اور ختم کیا جائے گا یعنی اگر ضرر واقع ہو چکا ہے تو شریعت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ اسے باقی رکھا جائے بلکہ اسے زائل کیا جائے گا تاکہ کوئی بھی شخص ضرر میں مبتلا نہ ہو۔ اس کی بنیاد وہی حدیث ہے جو پہلے گزر چکی کہ اسلام میں کسی کو ضرر پہنچانا جائز نہیں ہے۔[6]

3- الضرر لا یزال بمثله

اس قاعدے کا مطلب یہ ہے کہ ضرر کو کسی دوسرے ضرر کے ذریعے زائل نہیں کیا جائے گا۔ یعنی اگر کوئی ضرر واقع ہو چکا ہے اور اسے ختم کرنے کے لیے جو طریقہ اختیار کیا جا رہا ہے وہ خود ضرر پر مشتمل ہے تو اس طرح سے ضرر کو دور کرنا درست نہیں ہو گا۔ اگر ضرر سے خالی کوئی طریقہ نہ مل رہا ہو تو اس ضرر کو اپنے حال پر رہنے دیا جائے گا۔ اس لیے اگر ضرر کو اسی طرح کے ضرر سے دور کیا جائے تو اس سے شرعی طور پر کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو گا کیونکہ جس طرح پہلا ضرر ناجائز ہے اسی طرح دوسرا ضرر بھی ناجائز ہے۔[7]

اس کی مثال یوں دی جا سکتی ہے کہ کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ اپنے مال کی حفاظت کی خاطر دوسرے کے مال کو ضائع کر دے، اس لیے کہ جس طرح اس کا اپنا مال محترم ہے اسی طرح دوسرے کا مال بھی محترم ہے تو اپنے آپ کو ضرر سے بچانے کے لیے دوسرے کو ضرر میں مبتلا کرنا جائز نہیں ہو گا۔

4- الضرر الأشد يُزال بالضرر الأخف

اس قاعدے کا مطلب یہ ہے کہ شدید ضرر کو خفیف ضرر کے ذریعے دور کیا جائے گا یعنی ایک طرف ایسا ضرر ہے جو اپنی ذات اور نتائج کے اعتبار سے زیادہ نقصان دہ ہے اور دوسری طرف بھی ضرر ہے لیکن وہ اپنی ذات اور نتائج کے اعتبار سے کم نقصان دہ ہے اور ان میں سے ایک کو لازمی طور پر اختیار کرنا پڑ رہا ہے تو شریعت کہتی ہے کہ زیادہ نقصان والے کو ضرر کو دور کر دیا جائے اور اس کے مقابلے میں کم نقصان والے ضرر کو لے لیا جائے۔ اس قاعدے کو کئی الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ "اھون البلیتین یعنی دو مصیبتوں میں سے ہلکی مصیبت کو اختیار کیا جائے گا" اور "اھون الشرین یعنی دو شروں میں سے کم تر شر کو اختیار کر لیا جائے گا۔"

اس قاعدے کی شریعت میں بہت سی مثالیں موجود ہیں جیسا کہ حرم میں قتال ممنوع ہے لیکن اگر کوئی وہاں فساد مچادے اور مسلح ہو کر لڑائی پر آمادہ ہو جائے تو ایسی صورت میں اس شخص سے حرم میں قتال جائز ہو گا۔ اس لیے کہ یہاں دو ضرر جمع ہو گئے، ایک حرم میں قتال اور دوسرا اس شخص کا حرم میں فتنہ کھڑا کرنا اور فساد مچادینا۔ ان میں سے پہلا ضرر کم درجے کا ہے جبکہ دوسرا ضرر شدید تر ہے، لہٰذا پہلے ضرر کو اختیار کرتے ہوئے دوسرے ضرر یعنی فتنے اور فساد کو ختم کیا جائے گا۔

اسی طرح مضطر یعنی ایسا شخص جو زیادہ بھوک کی وجہ سے مرنے کے قریب ہو اور کھانے کے لیے سوائے مردار کے کچھ نہ ملے تو اس کے لیے مردار کھانے کو شریعت نے جائز قرار دیا ہے۔ یہاں بھی دو ضرر جمع ہو گئے، ایک مردار کھانا اور دوسرا نہ کھانے کی صورت میں ہلاکت کا خدشہ۔ ان میں سے پہلا ضرر یعنی مردار کھانا کم درجے کا ہے جبکہ دوسرا ضرر یعنی موت شدید تر ہے، لہٰذا ان میں سے پہلے ضرر کو اختیار کرتے ہوئے دوسرے ضرر یعنی موت کو اپنے سے دور کیا جائے گا۔[8]

5- درء المفاسد أولى من جلب المنافع

اس قاعدے کا مطلب یہ ہے کہ جلبِ منفعت سے دفعِ مضرت مقدم ہے یعنی اگر کسی عمل کو سرانجام دینے سے فائدہ بھی ہو رہا ہو اور اس میں نقصان کا پہلو بھی ہو تو شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ نقصان سے بچا جائے اور اسے دور کیا جائے چاہے اس مقصد کے لیے فائدے کو چھوڑنا ہی کیوں نہ پڑے۔ اس لیے کہ شریعت کے مقاصد میں سے ایک جلبِ منفعت ہے یعنی فائدے کا حصول اور دوسرا دفعِ مضرت ہے یعنی نقصان سے بچنا۔ اگر ایک وقت میں ان دونوں مقاصد پر عمل کرنا ممکن ہو تو بہت اچھا ہے، لیکن اگر ان دونوں مقاصد پر بیک وقت عمل کرنا ممکن نہ ہو اور جلبِ منفعت اور دفعِ مضرت میں تعارض آ رہا ہو تو پھر اصول یہ ہے کہ دفعِ مضرت کو مقدم رکھا جائے گا اور اس کی وجہ سے منفعت کو چھوڑ دیا جائے گا۔

مثال کے طور پر کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنی ملکیت میں ایسا تصرف کرے جس سے دوسرے کو تکلیف ہو جیسا کہ اپنے گھر کی دیوار میں کوئی ایسا تصرف کرنا جس سے پڑوسی کی دیوار کو نقصان پہنچے اور وہ تکلیف میں پڑ جائے۔ یہاں ایک طرف اگرچہ جلبِ منفعت ہے کہ دیوار میں تصرف کرنے سے کسی فائدے کا حصول مقصود ہو گا، لیکن چونکہ اس عمل سے پڑوسی کی دیوار کو نقصان پہنچ رہا ہے اس لیے ایسا کرنے سے منع کیا جائے گا۔[9]

6- يُتحمل الضرر الخاص لدفع الضرر العام

اس قاعدے کا مطلب یہ ہے کہ عام ضرر سے بچنے کے لیے خاص ضرر کو برداشت کر لیا جائے گا۔ یعنی اگر ایک طرف ضرر عام ہو جس کا نقصان ساری عوام یا بہت سے لوگوں کو پہنچ رہا ہو اور دوسری طرف ضرر خاص ہو جس کا نقصان صرف ایک فرد یا چند افراد کو ہو تو ایسی

صورت میں ضررِ خاص کو برداشت کرلیا جائے گا اور ضررِ عام سے بچا جائے گا۔ اس لیے کہ شریعت میں مصلحتِ عامہ مقدم ہوتی ہے مصلحتِ خاصہ پر اور جب ضرر عام سے بچا جائے گا تو اس میں مصلحتِ عامہ کی رعایت ہوگی جو شریعت میں مطلوب ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کسی کی دیوار لوگوں کے گزرنے کی جگہ پر بنی ہو اور وہ گرنے والی ہو تو اسے لازمی طور پر گرا دیا جائے گا تاکہ کسی کا جانی نقصان نہ ہو جائے۔ اس صورت میں دو ضرر جمع ہو گئے ہیں، ایک کسی کی دیوار کو توڑنا اور دوسرا لوگوں کی جان کو ہلاکت میں ڈالنا۔ ان میں سے پہلا ضرر خاص ہے جو فردِ واحد سے متعلق ہے جبکہ دوسرا ضرر عام ہے جو بہت سے لوگوں سے متعلق ہے، لہٰذا اس صورت میں ضررِ خاص کو برداشت کرلیا جائے گا اور دیوار توڑ دی جائے گی جبکہ ضررِ عام سے لوگوں کو بچایا جائے گا۔[10]

7- إذا تعارض المانع والمقتضي يُقدَّم المانع

اس قاعدے کا مطلب ہے کہ اگر مانع اور مقتضی میں تعارض ہو جائے تو مانع مقدم ہوگا یعنی بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز یا عمل کے کچھ دواعی اور مقتضیات ہوتے ہیں جو اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ اس پر عمل کیا جائے، جبکہ دوسری طرف کچھ رکاوٹیں اور موانع ہوتے ہیں جو اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ اس پر عمل نہ کیا جائے تو ایسی صورت میں شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ موانع کو مقدم رکھتے ہوئے اس پر عمل نہ کیا جائے، کیونکہ دفعِ مضرت ہمیشہ مقدم ہوتی ہے جلبِ منفعت پر۔ یہ اصول تب بھی لاگو ہوگا جب کسی چیز کا مانع اور مقتضی دونوں بیک وقت جمع ہو جائیں اور تب بھی لاگو ہوگا جب کسی چیز کا مقتضی پہلے سے موجود ہو اور مانع بعد میں آئے یعنی دونوں صورتوں میں مانع کو مقدم رکھتے ہوئے اس چیز پر عمل چھوڑ دیا جائے گا۔

اس کی مثال محرمات کی بیع سے دی جاسکتی ہے جیسے شراب اور دیگر نشہ آور چیزیں کہ ان کی خرید و فروخت سے منع کیا جائے گا۔ یہاں ایک طرف مقتضی ہے کہ بیع سے مالی فائدہ ہوگا اور دوسری طرف مانع ہے کہ نشہ آور چیزوں کی خرید و فروخت سے لوگ نشے میں مبتلا ہوں گے اور ان کی عقل زائل ہو جائے گی جو بہت سے گناہوں کا سبب ہے۔ اس لیے اس مانع کو مقتضی پر مقدم رکھتے ہوئے شراب وغیرہ کی بیع کو ناجائز کہا جائے گا۔[11]

8- الضرر لا يكون قديمًا

اس قاعدے کا مطلب یہ ہے کہ ضرر کا قدیم ہونا معتبر نہیں ہے یعنی اگر کسی معاملے میں ضرر ہو اور بہت طویل عرصے سے چلا آرہا ہو تو اسے قدیم ہونے کی وجہ سے باقی نہیں رکھا جاسکتا اور نہ ہی قدیم ہونے کی وجہ سے اسے جائز کہا جاسکتا ہے۔ قدیم ضرر جدید ضرر کی طرح ہے اور ان دونوں میں حکم کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں۔ جس طرح ضررِ جدید کو جس قدر ممکن ہوسکے جلد سے جلد دور کرنا ضروری ہے اسی طرح ضررِ قدیم کو بھی جلد سے جلد دور کرنا شریعت کا تقاضا ہے۔

مثال کے طور پر اگر کسی نے عام گزرگاہ پر کوئی تعمیر وغیرہ کررکھی ہے جس کی وجہ سے لوگوں کو گزرنے میں تکلیف ہوتی ہے تو اس تعمیر کو گرا دیا جائے گا چاہے وہ عمارت کتنی ہی قدیم کیوں نہ ہو، کیونکہ عمارت کے عام گزرگاہ میں ہونے کی وجہ سے لوگوں کو ضرر لاحق ہو رہا ہے اور ضرر والی چیز چاہے قدیم بھی ہو اسے ختم کرنا ضروری ہے اور محض قدیم ہونے کی وجہ سے اسے باقی نہیں رکھا جاسکتا۔[12]

ضرر کی اقسام اور ان کا حکم:

شریعت کے اسرار و مقاصد پر گہری نظر رکھنے والے امام شاطبی رحمہ اللہ نے ضرر سے متعلق بڑی تفصیل سے کلام کیا ہے جو کئی صفحات پر مشتمل ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ جب بھی جلبِ منفعت یا دفعِ مضرت یعنی منفعت کا حصول اور مضرت سے بچنا مقصود ہو تو اس کی آٹھ

اقسام بنتی ہیں:

1. اس عمل سے کسی دوسرے کو بالکل بھی نقصان نہ پہنچے۔
2. اس عمل سے دوسرے کو نقصان پہنچے اور اسے نقصان پہنچانے کا قصد بھی ہو۔
3. اس عمل سے دوسرے کو نقصان پہنچے لیکن اسے نقصان پہنچانے کا قصد نہ ہو اور وہ ضرر عام ہو یعنی اس سے عمومی طور بہت سے افراد متاثر ہوں۔
4. اس عمل سے دوسرے کو نقصان ہو لیکن نقصان پہنچانے کا قصد نہ ہو اور جو ضرر لازم آرہا ہے وہ خاص نوعیت کا ہو اور اگر جالب اس پر عمل نہیں کرتا تو خود اس کا نقصان ہو یعنی اگر اس فعل کو کرتا ہے تو دوسرے کا نقصان ہے اور اگر نہیں کرتا تو اپنا نقصان ہے۔
5. اس عمل سے دوسرے کو نقصان ہو لیکن نقصان پہنچانے کا قصد نہ ہو اور اگر جالب اس پر عمل نہیں کرتا تو خود اس کا نقصان نہ ہو اور جو ضرر لازم آرہا ہے وہ خاص نوعیت کا ہو اور اس کا وقوع عادتاً یقینی ہو۔
6. اس عمل سے دوسرے کو نقصان ہو لیکن نقصان پہنچانے کا قصد نہ ہو اور اگر جالب اس پر عمل نہیں کرتا تو خود اس کا نقصان نہ ہو اور جو ضرر لازم آرہا ہے وہ خاص نوعیت کا ہو اور نادر الوقوع ہو۔
7. اس عمل سے دوسرے کو نقصان ہو لیکن نقصان پہنچانے کا قصد نہ ہو اور اگر جالب اس پر عمل نہیں کرتا تو خود اس کا نقصان نہ ہو اور جو ضرر لازم آرہا ہے وہ خاص نوعیت کا ہو اور اس کے وقوع کا ظن یعنی غالب گمان ہو۔
8. اس عمل سے دوسرے کو نقصان ہو لیکن نقصان پہنچانے کا قصد نہ ہو اور اگر جالب اس پر عمل نہیں کرتا تو خود اس کا نقصان نہ ہو اور جو ضرر لازم آرہا ہے وہ خاص نوعیت کا ہو اور کثیر الوجود ہو۔[13]

امام شاطبی رحمہ اللہ نے یہ اقسام بیان کرنے کے بعد ان کا حکم بھی بیان کیا ہے کہ ان میں سے کونسی قسم شریعت کی نظر میں جائز ہے اور کونسی نہیں اور ہر ایک پر بڑی تفصیل سے دلائل دیے ہیں۔ ہم ذیل میں مختصر طور پر ان کا حکم بیان کرتے ہیں:

پہلی قسم کا جائز ہونا واضح ہے کیونکہ اس صورت میں کسی کو ضرر لاحق نہیں ہو رہا۔

دوسری قسم ناجائز ہے کیونکہ اس صورت میں دوسرے کو نقصان پہنچایا جارہا ہے اور اسے نقصان پہنچانے کا قصد و ارادہ بھی ہے، جبکہ شریعت کا اصول ہے "لاضرر ولاضرار" یعنی کسی دوسرے کو جان بوجھ کر نقصان پہنچانا جائز نہیں۔

تیسری قسم یعنی جب کسی کے عمل سے عمومی ضرر لاحق ہو رہا ہو اور جالب کا کسی کو نقصان پہنچانے کا قصد نہ ہو، اس کا حکم یہ ہے کہ اس شخص کو ایسا عمل کرنے سے روک دیا جائے گا اور حتی الامکان ضرر کو دور کیا جائے گا۔ اس لیے کہ مصالحِ عامہ مقدم ہوتی ہیں مصالحِ خاصہ پر اور جب عمومی مصلحت اس عمل سے رک جانے میں ہے تو لازمی طور پر اس سے باز رہا جائے گا۔

چوتھی قسم یعنی جب کسی عمل سے دوسرے کو خاص نوعیت کا ضرر لاحق ہو اور نقصان کا قصد نہ ہو اور اس عمل سے رک جانے کی وجہ سے خود اس کا نقصان ہو، اس صورت کا حکم یہ ہے کہ اس کی دو جہتیں ہیں: اگر جالب یا دافع کے فائدے کی جہت کو دیکھیں تو یہ عمل جائز ہونا چاہیے اس لیے کہ جلبِ منفعت اور دفعِ مضرت شریعت میں مقصود ہے اور اس شخص کا مقصود بھی اپنے فائدہ کا حصول یا نقصان سے بچنا ہے، کسی دوسرے کو ضرر پہنچانا مقصود ہی نہیں اور اس پر عمل نہ کرنے سے خود اسے نقصان ہو سکتا ہے جیسا کہ اپنا حق وصول کرنے کے لیے یا ظلم کے خاتمے کے لیے رشوت دینا کہ اس میں جلبِ منفعت یا دفعِ مضرت تو ہے لیکن معصیت کا ضرر بھی ہے مگر پھر بھی اس صورت

میں رشوت دینا جائز ہو گا اور یہاں جلبِ منفعت یا دفعِ مضرت کو مقدم رکھا جائے گا۔ اور اگر جالب کے فائدے کو نہ دیکھیں تو دو صورتیں بنتی ہیں۔ ایک یہ کہ اپنی ذات کو ترجیح نہ دی جائے بلکہ برابری کی بنیاد پر دوسروں سے ہمدردی کی جائے جیسا کہ ایک سفر کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ جس کے پاس زائد سواری ہے وہ بغیر سواری والوں کو اپنے ساتھ شریک کرے اور جس کے پاس زائد توشہ ہے وہ بغیر توشے والوں کو اپنے ساتھ شریک کرے۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح کئی اموال کا ذکر کیا اور ہمیں لگا کہ کسی بھی زائد مال میں ہمارا حق نہیں ہے۔[14] دوسری صورت یہ ہے کہ ایثار کیا جائے یعنی اپنے حق کو دوسرے کے لیے چھوڑ دیا جائے اور اللہ پر توکل اور یقین رکھتے ہوئے اپنے حق سے دستبردار ہو جائے۔ یہ عمدہ ترین اخلاق میں سے ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

پانچویں قسم یعنی جب کسی عمل سے بغیر قصد کے دوسرے کو خاص نوعیت کا ضرر لاحق ہو جبکہ اس عمل کے نہ کرنے سے جالب کو کوئی ضرر لاحق نہ ہو اور عمل کرنے سے دوسرے کو ضرر پہنچنا عادتاً یقینی ہو تو اس صورت کی بھی دو حیثیتیں ہیں: ایک حیثیت یہ ہے کہ جالب نے شرعی طور پر ایک جائز عمل کا قصد کیا ہے اور اس کا کسی کو نقصان پہنچانے کا بھی ارادہ نہیں، اس لحاظ سے یہ عمل جائز ہونا چاہیے۔ دوسری حیثیت یہ ہے کہ اگرچہ جالب کا نقصان پہنچانے کا ارادہ نہیں، مگر اسے معلوم ہے کہ میرے عمل سے دوسرے کو لازمی طور پر ضرر پہنچے گا اور پھر بھی وہ اس عمل سے باز نہیں آتا تو ایسی صورت میں گمان ہوتا ہے کہ وہ دوسرے کو جان بوجھ کر نقصان پہنچانا چاہتا ہے، کیونکہ ضرر کا علم ہونے کے باوجود اس فعل کا ارتکاب کرنا یا تو اس وجہ سے ہے کہ اس نے حکم میں غور و فکر نہیں کیا اور کوتاہی کی یا اس وجہ سے کہ وہ دوسرے کو ضرر پہنچانے کا قصد رکھتا ہے اور یہ دونوں ہی باتیں ناجائز ہیں۔ لہٰذا اگر دوسرے کو ضرر لاحق ہونا عادتاً یقینی ہو تو اس فعل پر عمل کرنا جائز نہیں۔

چھٹی قسم یعنی جب کسی عمل سے بغیر قصد کے دوسرے کو خاص نوعیت کا ضرر لاحق ہو، جبکہ عمل نہ کرنے سے جالب کو کوئی ضرر لاحق نہ ہو اور عمل کرنے سے دوسرے کو ضرر پہنچنا نادر الوقوع ہو تو ایسی صورت میں اس پر عمل کرنا جائز ہے، اس لیے کہ جب مصلحت غالب ہو تو پھر نادر کے وقوع کا اعتبار نہیں ہوتا اور ویسے بھی کوئی مصلحت ایسی نہیں ہو گی جو ضرر سے بالکلیہ خالی ہو۔ شریعت نے بھی احکام کے اجراء میں مصلحت کے غلبے کا اعتبار کیا ہے اور نادر الوقوع مضرت و مفسدے کا اعتبار نہیں کیا۔ اسی وجہ سے اس صورت میں جالب کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جائے گا کہ اس نے حکم سے متعلق غور و فکر نہیں کیا یا اس کا قصد ضرر پہنچانے کا تھا۔

ساتویں قسم یعنی جب کسی عمل سے بغیر قصد کے دوسرے کو خاص نوعیت کا ضرر لاحق ہو، جبکہ عمل نہ کرنے سے جالب کو کوئی ضرر لاحق نہ ہو اور عمل کرنے سے دوسرے کو ضرر پہنچنے کا گمان غالب ہو تو اس صورت کی دو جہتیں ہیں: اگر اصل کے اعتبار سے دیکھیں تو یہ جائز ہے کیونکہ مصلحت غالب ہے اور ضرر کا لاحق ہونا یقینی نہیں، بلکہ محض ظن کے درجے میں ہے۔ اور اگر یہ دیکھیں کہ ظن کو تمام عملی مسائل میں علم اور یقین کے مرتبے پر رکھا جاتا ہے تو پھر یہ صورت جائز نہیں ہو گی۔ اس حوالے سے راجح بات یہی ہے کہ ظن کو یقین کے قائم مقام قرار دے کر اس صورت کو ناجائز کہا جائے اور اس کی کئی وجوہات ہیں: ایک تو یہ کہ جب تمام عملی مسائل میں ظن علم ویقین کے قائم مقام ہوتا ہے تو اس صورت میں بھی ہو گا۔ دوسرا یہ کہ بہت سے منصوص احکام ایسے ہیں جہاں ظن کو علم کے مرتبہ پر رکھ کر حکم دیا گیا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں معبودانِ باطلہ کو گالی دینے کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ وہ بدلے میں اللہ کو گالی دیں گے۔ اب دیکھا جائے تو اس صورت میں کفار کا اللہ کو گالی دینا یقینی نہیں، ظن کے درجے میں ہے مگر پھر بھی ممانعت کی گئی۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ صورت تعاون علی

الاثم والعدوان میں شامل ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اصل کے اعتبار سے یہ قسم مباح ہے لیکن اسبابِ خارجی کی وجہ سے کہ مصلحت کا حصول کسی ضرر اور مفسدے کا سبب بن رہا ہوتا ہے اسے ناجائز کہا جائے گا اور ایسے عمل سے روکا جائے گا۔

آٹھویں قسم یعنی جب بغیر قصد کے دوسرے کو خاص نوعیت کا ضرر لاحق ہو، جبکہ عمل نہ کرنے سے جالب کو کوئی ضرر لاحق نہ ہو اور عمل کرنے سے دوسرے کو اکثر ضرر پہنچتا ہو یعنی ضرر کا لاحق ہونا نہ نادر الوقوع ہو اور نہ ہی گمان غالب کے درجے میں ہو بلکہ اس کے درمیان کا درجہ ہو تو ایسی صورت کے حکم میں غور و فکر کی ضرورت ہے۔ اصل کے اعتبار سے یہ قسم جائز ہو گی اور اس پر عمل کرنے کی اجازت ہو گی جیسا کہ امام شافعی وغیرہ کا یہی مسلک ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں ضرر اور فساد کا واقع ہونا نہ یقین کے درجے میں ہے اور نہ ہی گمان غالب کے درجے میں، بلکہ ضرر کے وقوع اور عدم وقوع کا محض احتمال ہے جس میں ایک جانب کو ترجیح دینے کا کوئی قرینہ بھی موجود نہیں، اس وجہ سے یہ قسم جائز ہو گی۔ البتہ امام مالک رحمہ اللہ نے اس قسم کو سدِ ذرائع میں شامل کرتے ہوئے ناجائز کہا ہے، ان کا کہنا ہے کہ اس صورت میں ضرر چونکہ کثیر الوقوع ہے یا کثرت وقوع کا غالب گمان ہے، لہذا ظن کی طرح کثرت کا بھی اعتبار کیا جائے گا اور جس طرح ضرر کے ظنی یعنی اغلبی ہونے کی صورت میں اس فعل پر عمل کرنے سے روکا جاتا ہے، ضرر کے کثیر الوجود ہونے کی صورت میں بھی روکا جائے گا۔[15]

کرپٹو کرنسی کی حقیقت وماہیت:

کرپٹو کرنسی یا ورچوئل کرنسی عصر حاضر کی ایک بالکل نئی تخلیق ہے۔ ابھی تک بہت سے لوگ اس کی حقیقت وماہیت سے واقف نہیں۔ لہذا پہلے ورچوئل کرنسی کی حقیقت وماہیت کو سمجھنا ضروری ہے۔ مختلف تجارتی واقتصادی ادارے اپنے اپنے طور پر ورچوئل کرنسی کی تعریف بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک مستند ادارہ یورپین بینکنگ اتھارٹی ورچوئل کرنسی کی تعریف یوں کرتا ہے:

"ورچوئل کرنسی کسی بھی قیمت کی ڈیجیٹل نمائندگی ہے جسے نہ تو مرکزی بینک اور حکومتی اتھارٹی جاری کرتی ہے اور نہ ہی لازمی طور پر یہ حکومتی کرنسی کے ساتھ منسلک ہوتی ہے، بلکہ اسے حقیقی یا قانونی افراد آلہ تبادلہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ایسی کرنسی کو الیکٹرونک طریقے سے منتقل اور محفوظ بھی کیا جاسکتا ہے اور اس کی تجارت بھی کی جاسکتی ہے۔"[16]

اور فنانشل ایکشن ٹاسک فورس(FATF) کے مطابق ورچوئل کرنسی کی تعریف اس طرح ہے:

"ورچوئل کرنسی کسی بھی قیمت کی ڈیجیٹل نمائندگی ہے جس کی ڈیجیٹل طریقے سے تجارت کی جاسکتی ہے۔ یہ آلہ تبادلہ کے طور پر استعمال ہوتی ہے یا اکاؤنٹ کی ایک اکائی کے طور پر یا قدر کو محفوظ کرنے کے لیے، مگر یہ کسی بھی دائرہ اختیار میں قانونی ٹینڈر کی حیثیت نہیں رکھتی۔"[17]

اقتصادی ماہرین کی مذکورہ تعریفات کی روشنی میں ورچوئل کرنسی کی درجِ ذیل خصوصیات معلوم ہوئیں:

- یہ ایک ورچوئل کرنسی ہے جس کا وجود صرف ڈیجیٹل شکل میں کمپیوٹر اور موبائل فون پر ہے۔ اس سے باہر اس کا کوئی وجود نہیں۔
- اسے کوئی مرکزی بینک یا حکومت جاری نہیں کرتی، بلکہ اس کرنسی کو بنانے اور جاری کرنے والے کمپیوٹر کے ماہر پروگرامر ہوتے ہیں۔
- اس کرنسی کو کوئی بھی حکومت، کوئی بھی ریاستی ادارہ یا بینک کنٹرول نہیں کرتا، بلکہ نیٹ ورک پر موجود مختلف افراد اسے کنٹرول کرتے ہیں۔

- ورچوئل کرنسی کسی حکومتی کرنسی کے ساتھ منسلک نہیں ہوتی یعنی ایسا نہیں ہے کہ اسے ڈالر، یورو، پاؤنڈ یا روپے وغیرہ کے ساتھ منسلک کیا گیا ہو اور ایسا بھی نہیں کہ حکومت ورچوئل کرنسی کے بدلے حکومتی کرنسی دینے کی پابند ہو۔ بلکہ یہ ایک آزاد اور خود مختار کرنسی ہے۔
- اس کرنسی کے ذریعے ہم الیکٹرونک طریقے سے تجارت کرسکتے ہیں اور یہ اشیاء کی خرید و فروخت کے لیے بطور آلہ تبادلہ بھی استعمال ہوتی ہے۔

کرپٹو کرنسی کی خاص بات یہ ہے کہ عام طور پر یہ بلاک چین ٹیکنالوجی کی مدد سے تخلیق کی جاتی ہے جس کا مقصد ٹرانزیکشن کی تصدیق اور ڈبل سپینڈنگ سے بچاؤ ہے یعنی اس ٹیکنالوجی کی مدد سے کرنسی کو اس طرح محفوظ بنایا جاتا ہے کہ ہر ٹرانزیکشن اور لین دین کا ریکارڈ بلاک کی صورت میں نیٹ ورک پر موجود تمام کمپیوٹرز میں محفوظ ہوتا رہتا ہے جسے نہ ختم کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس میں ردوبدل کیا جاسکتا ہے اور یہ ریکارڈ پبلک ہوتا ہے جسے نیٹ ورک پر ہر کوئی دیکھ سکتا ہے۔ اسی وجہ سے ایک کوائن دو مرتبہ استعمال نہیں ہو سکتا۔ بلاک چین ٹیکنالوجی عملی طور پر سب سے پہلے ستوشی ناکاموٹو نے متعارف کروائی جب اس نے سب سے پہلی ورچوئل کرنسی "بٹ کوائن" کی تخلیق میں اس ٹیکنالوجی کا استعمال کیا۔[18]

اس کرنسی کی دوسری خاص بات یہ ہے کہ اس میں آدمی کی شناخت عام طور مخفی رہتی ہے اور شناخت مخفی رکھنے کا یہ عمل کمپیوٹر کی ایک ٹیکنیک کرپٹوگرافی کے ذریعے سے ممکن ہوتا ہے۔ وہ اس طرح کہ کرنسی خریدنے اور بیچنے والے کو نیٹ ورک کی طرف سے ایک کوڈ دیا جاتا ہے جو ان کا پبلک ایڈریس ہوتا ہے بالکل ایسے ہی جیسے کسی کا بینک اکاؤنٹ نمبر ہو اور کرنسی وصول کرنے والا بھیجنے والے کو اپنا نام پتہ دینے کی بجائے کوڈ پر مشتمل صرف ایڈریس دیتا ہے اور کرنسی وصول کرلیتا ہے اور اس طرح ان کی شناخت مخفی رہتی ہے۔ کرپٹوگرافی ٹیکنیک استعمال کرنے کی وجہ سے اس کرنسی کو کرپٹو کرنسی کہا جاتا ہے۔[19]

کرپٹو کرنسی کی تخلیق میں ضرر:

گزشتہ تفصیل سے یہ بات تو واضح ہوگئی کہ شریعت میں اس بات کا بہت زیادہ خیال کیا گیا ہے کہ کسی کو ضرر لاحق نہ ہو اور ہر ایسا عمل جس کی وجہ سے انسان خود یا کوئی دوسرا ضرر میں مبتلا ہو رہا ہو تو پہلے مرحلے میں اس ضرر کو دور کرنے کی کوشش کی جائے گی اور اگر ضرر کو دور کرنا ممکن نہ ہو تو اس عمل کو چھوڑ دیا جائے گا۔

اس تناظر میں اگر کرپٹو کرنسی کا جائزہ لیا جائے تو اس میں کئی مراحل پر ہمیں ضرر محسوس ہوتا ہے۔ سب سے پہلے اگر کرپٹو کرنسی کی تخلیق میں غور و فکر کیا جائے تو اس سارے عمل میں ضرر دکھائی دیتا ہے۔ وہ اس طرح کہ اکثر کرپٹو کرنسیاں مائننگ کے عمل سے وجود میں آتی ہیں اور مائننگ میں یہ ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ کرنسی کی تخلیق کے عمل میں اس طرح شریک ہوتے ہیں کہ وہ کمپیوٹر کے ذریعے انتہائی پیچیدہ ریاضیاتی کیلکولیشن کرتے ہیں اور انہیں جو ہیش ویلیو یا ٹارگٹ ویلیو دی جاتی ہے اسے معلوم کرنے کی دوڑ میں لگ جاتے ہیں اور جو سب سے پہلے مطلوبہ ہیش ویلیو معلوم کرتا ہے اسے انعام یا اجرت کے طور پر نئے کوائن دیے جاتے ہیں اور اس طرح نئے کوائن کی تخلیق ہوتی ہے اور وہ سرکولیشن میں آجاتے ہیں۔[20]

اس سارے عمل میں اس شخص کا تو فائدہ ہے جس نے سب سے پہلے مطلوبہ ہیش ویلیو معلوم کرلی کہ اسے انعام کے طور پر کوائن مل گئے، لیکن وہ تمام افراد جو مائننگ کے عمل میں شریک ہوئے اور جنہوں نے کمپیوٹر ہارڈ ویئر کی خریداری پر بہت پیسہ خرچ کیا اور کرنسی کے نیٹ ورک کو کمپیوٹر پاور دی، ان سب کی محنت اور پیسہ تو رائیگاں گیا اور انہیں تو مائننگ کے عمل سے ایک آنے کا بھی فائدہ نہ ہوا۔ اس صورت

حال کے بارے میں بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ ضرر کی صورت ہے اور مائننگ کے عمل سے اگرچہ ایک دو یا چند افراد کا فائدہ ہو رہا ہے، لیکن اس کی وجہ سے اکثر افراد کو ضرر بھی لاحق ہو رہا ہے، کیونکہ مائننگ میں ہر شخص اپنا فائدہ سوچتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ مطلوبہ ہیش ویلیو سب سے پہلے میں معلوم کرلوں تاکہ مجھے فائدہ ہو اور مجھے کوائن مل جائیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مائننگ کے عمل میں شریک باقی مائنرز انعام یا اجرت سے محروم ہو جاتے ہیں اور انہیں بالکل بھی فائدہ نہیں ہوتا، بلکہ الٹا انہیں ضرر لاحق ہو جاتا ہے کہ ان کا پیسہ اور محنت ضائع ہو گئی جبکہ شریعت کا اصول پہلے گزر چکا ہے کہ "لاضرر ولاضرار" یعنی کسی بھی شخص کو ضرر میں مبتلا کرنا جائز نہیں چاہے اس عمل سے خود کو فائدہ ہو یا نہ ہو اور یہ اصول بھی گزر چکا کہ "جلبِ منفعت سے دفعِ مضرت مقدم ہے" یعنی ایک عمل سے فائدہ بھی ہو رہا ہو اور اس میں نقصان کا پہلو بھی ہو تو نفع کے حصول کو مقدم نہیں رکھا جائے گا بلکہ سب سے پہلے مضرت کو دور کیا جائے گا۔ مائننگ کے عمل میں جو لوگ شریک ہوتے ہیں اور اپنا پیسہ اور محنت صرف کرتے ہیں جب تک انہیں بھی انعام یا اجرت میں شریک نہ کیا جائے اس وقت تک یہ ضرر ختم نہیں ہو سکتا اور جب تک یہ ضرر ختم نہ ہو اسلامی نقطہ نظر سے مائننگ کے عمل کو جائز کہنا مشکل ہے۔

امام شاطبی رحمہ اللہ نے ضرر لاحق ہونے کی جو اقسام بیان کی ہیں ورچوئل کرنسی کی تخلیق کا عمل بظاہر ان میں سے تیسری قسم میں آتا ہے کیونکہ تیسری قسم یہ تھی کہ کوئی شخص جلبِ منفعت یا دفعِ مضرت کے لیے کوئی عمل کرے اور اس عمل کے نتیجے میں دوسروں کو عمومی قسم کا ضرر لاحق ہو اور جالب کا کسی کو ضرر پہنچانے کا قصد نہ ہو تو امام شاطبی رحمہ اللہ کے بقول ایسے شخص کو وہ عمل کرنے سے روک دیا جائے گا کیونکہ مصالحِ عامہ مقدم ہوتی ہیں مصالحِ خاصہ پر اور اس صورت میں مصلحتِ عامہ اسی میں ہے کہ وہ عمل نہ کیا جائے تاکہ لوگ عمومی ضرر سے بچ جائیں۔ اب اگر ورچوئل کرنسی کی تخلیق کے عمل یعنی مائننگ کو دیکھا جائے تو اس میں بہت سے لوگ جن کی تعداد ہزاروں اور لاکھوں میں ہے اس عمل میں جلبِ منفعت کے لیے شریک ہوتے ہیں تاکہ انہیں انعام یا اجرت کے طور پر کوائن مل جائیں۔ لیکن اس عمل کے نتیجے میں ہوتا یہ ہے کہ ایک یا ایک سے زیادہ افراد کو فائدہ ہو جاتا ہے اور وہ کوائن انعام کے طور پر حاصل کر لیتے ہیں جبکہ مائنرز کی اکثریت جن کی تعداد ہزاروں لاکھوں میں بنتی ہے کسی قسم کے انعام یا اجرت سے محروم رہتے ہیں باوجود اس کے کہ انہوں نے پیسہ بھی لگایا اور محنت بھی کی، گویا مائننگ کے نتیجے میں عمومی ضرر لاحق ہوا اور انعام پانے والے مائنرز کا بظاہر کسی کو نقصان پہنچانے کا قصد نہیں ہے۔ وہ تو اپنا فائدہ چاہتے ہیں، ان کو اس سے غرض نہیں کہ دوسرے کو نقصان پہنچتا ہے یا نہیں۔ اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ یہ ضرر لاحق ہونے کی تیسری صورت بنتی ہے اور اس کا حکم امام شاطبی رحمہ اللہ نے یہ بیان کیا ہے کہ جب جالب کے عمل سے عمومی ضرر لاحق ہو رہا ہو اگرچہ وہ بغیر قصد و ارادے کے ہو تو اسے ایسا عمل کرنے سے روک دیا جائے گا اور عمومی مصلحت کو دیکھا جائے گا اور عمومی مصلحت اسی میں ہے کہ لوگ ضرر میں مبتلا نہ ہوں اور ان کا لگایا ہوا پیسہ اور محنت بالکل ہی رائیگاں نہ چلی جائے۔ لہٰذا مائننگ یعنی کرنسی کی تخلیق کا موجودہ طریقہ کار اسلامی نقطہ نظر سے درست معلوم نہیں ہوتا۔

کرپٹو کرنسی کے لین دین میں ضرر:

اسی طرح اگر تخلیق سے ہٹ کر کرپٹو کرنسی کی خرید و فروخت اور تبادلے کی بات کی جائے تو اس میں بھی ضرر نظر آتا ہے، اگرچہ وہ ضرر اس درجے کا نہیں جو ورچوئل کرنسی کی تخلیق کے عمل میں پایا جاتا ہے بلکہ اس سے کم درجے کا ہے۔۔ ضرر کے مختلف درجات ہیں: بسا اوقات ضرر کی نوعیت ایسی ہوتی ہے کہ اس میں شدت پائی جاتی ہے اور کبھی معمولی نوعیت کا ضرر ہوتا ہے اور کبھی درمیانے درجے کا۔ جس عمل میں ضرر جتنا شدید ہو گا اس میں حرمت یا کراہت اسی درجے کی ہو گی۔ مائننگ یعنی کرنسی کی تخلیق میں ضرر کی نوعیت شدید

ہے کیونکہ اس میں لوگوں کی اکثریت پیسہ اور محنت لگانے کے باوجود انعام سے یقینی طور پر محروم رہ جاتی ہے جبکہ ورچوئل کرنسی کے تبادلے اور خرید و فروخت میں ضرر کی نوعیت شدید نہیں، بلکہ درمیانے درجے کی ہے۔

کرپٹو کرنسی میں تبادلے اور خرید و فروخت کے لحاظ سے ضرر اس کی قیمت کے بہت زیادہ اتار چڑھاؤ کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ وہ اس طرح کہ اب تک کا مشاہدہ ہے کہ ورچوئل کرنسی پر کسی ادارے یا حکومت کا کنٹرول نہ ہونے کی وجہ سے اس کی قیمت میں ٹھہراؤ نہیں رہتا، بلکہ اس کی قیمت بہت زیادہ Fluctuate کرتی رہتی ہے یعنی دیکھا گیا ہے کہ ایک دم سے کرنسی کی قیمت بہت اوپر چلی گئی اور ایک دم سے وہ بہت نیچے گر گئی۔ اس صورت حال میں اگر لوگ اس کرنسی کو خرید کر اس کے ذریعے اشیاء کا لین دین شروع کر دیں یا خود کرنسی ہی کی تجارت کرنے لگیں اور پھر اچانک سے پتہ چلے کہ کرنسی کی قیمت بہت زیادہ گر گئی ہے تو اس میں لوگوں کو ضرر تو لاحق ہو گا۔ فرض کریں کہ ایک شخص نے یہ ارادہ کیا کہ وہ بٹ کوائن کرنسی کے ذریعے ایک گاڑی خریدے۔ اس نے پاکستانی بیس لاکھ روپے میں پہلے ایک بٹ کوائن حاصل کیا اور ابھی گاڑی خریدنے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ ایک دم سے بٹ کوائن کی قیمت گر کر پاکستانی آٹھ لاکھ روپے رہ گئی یا ایک شخص نے تجارت کی نیت سے ایک بٹ کوائن بیس لاکھ میں حاصل کیا تاکہ مستقبل میں اسے بیچ کر اس کے ذریعے منافع کمائے لیکن ہوا یہ کہ ایک دم سے بٹ کوائن کی قیمت گری اور آٹھ لاکھ تک آ گئی تو اسے بجائے فائدے کے الٹا لاکھوں کا نقصان ہو گیا۔ ان صورتوں میں دیکھا جائے تو اس شخص کا بہت زیادہ نقصان ہے جو ورچوئل کرنسی کے ذریعے تبادلہ کرتا ہے یا اس کی تجارت کرتا ہے کہ کرنسی کی قیمت آدھے سے بھی زیادہ گر گئی اور کچھ دن پہلے جو کرنسی بیس لاکھ کی ویلیو رکھتی تھی وہ ایک دم سے آٹھ لاکھ پر آ گئی۔ یہ مثالیں جو ذکر کی گئیں کوئی فرضی نہیں ہیں بلکہ حقیقی ہیں اور سن 2017 کے آخر میں بٹ کوائن کرنسی کے ساتھ ایسا ہو چکا ہے کہ اس کی قیمت 20000 ڈالر تک پہنچی تھی اور کچھ ہی دن کے بعد وہ 8000 ڈالر سے بھی نیچے گر چکی تھی۔[21]

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کرنسی کی قیمتوں میں اتار چڑھاؤ صرف کرپٹو کرنسی کے ساتھ تو خاص نہیں ہے، یہ معاملہ تو کاغذی کرنسی کے ساتھ بھی ہوتا ہے حالانکہ اسے حکومتی و ریاستی سرپرستی بھی حاصل ہے اور ریاستی بینک افراطِ زر اور تفریطِ زر کو کنٹرول کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ اگر کرنسی کی قیمت کا اتار چڑھاؤ ضرر پیدا کرتا ہے تو یہ ضرر تو کاغذی کرنسی میں بھی موجود ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ تمام ملکوں کی کرنسی افراط و تفریط کا شکار رہتی ہے۔ اگر ہم پاکستانی کرنسی ہی کی مثال لیں تو کچھ عرصہ پہلے تک اس کی ویلیو ایک امریکی ڈالر کے مقابلے میں 120 روپے تھی اور اب مزید گر کر 200 روپے تک آ چکی ہے۔ اگر ورچوئل کرنسی کی قیمت کے اتار چڑھاؤ کی وجہ سے ہم اس پر ضرر کا حکم لگاتے ہیں تو پھر کاغذی کرنسی پر بھی یہ حکم لگنا چاہیے کیونکہ اس میں بھی اتار چڑھاؤ رہتا ہے اور اس کی وجہ سے بھی لوگ نقصان اٹھاتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح ورچوئل کرنسی اور کاغذی کرنسی کی حقیقت میں بہت فرق ہے، اسی طرح ان دونوں کی قیمتوں کے اتار چڑھاؤ میں بھی فرق پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان دونوں پر ایک جیسا حکم نہیں لگایا جا سکتا اور نہ ہی لاحق ہونے والے ضرر کو ایک جیسا کہا جا سکتا ہے۔ کاغذی کرنسی کی حقیقت یہ ہے کہ اسے حکومتی اعتماد اور ضمانت حاصل ہوتی ہے اور اسے ریاستی ادارہ یعنی مرکزی بینک جاری کرتا ہے جس کے وظائف میں یہ بات شامل ہے کہ وہ افراط اور تفریطِ زر کو کنٹرول کرے اور ادارہ اس کی بھرپور کوشش بھی کرتا ہے۔ لیکن تمام تر کوشش کے باوجود بہت سے عوامل کی وجہ سے کرنسی کی قیمت میں اتار چڑھاؤ رہتا ہے لیکن ایک تو وہ اتار چڑھاؤ بہت معمولی نوعیت کا ہوتا ہے اور دوسرا اس اتار چڑھاؤ کی رفتار عام طور پر بہت سست ہوتی ہے یعنی اگر کاغذی کرنسی کی قیمت گرتی ہے تو ایک دم سے

بہت زیادہ نہیں گرتی کہ آدھی یا اس سے بھی کم رہ جائے بلکہ اس کی شرح معمولی سی ہوتی ہے اور دوسرا قیمت کے اتار چڑھاؤ میں وقت لگتا ہے یعنی ایسا نہیں کہ صبح کرنسی کی قیمت اگر ہزار تھی تو اسی شام کو پانچ سو رہ گئی۔ اگر فرق پڑتا بھی ہے تو سست رفتاری کے ساتھ پڑتا ہے۔ جبکہ ورچوئل کرنسی کی حقیقت یہ ہے کہ اسے نہ کوئی ریاستی ادارہ جاری کرتا ہے اور نہ ہی کنٹرول کرتا ہے اور اس کے لیے کوئی ایسا میکنزم نہیں ہے کہ جس سے اس کرنسی کی قیمت کے اتار چڑھاؤ کو کنٹرول کیا جاسکے۔ ورچوئل کرنسی کی قیمت صرف اور صرف لوگوں کی دلچسپی کی بنیاد پر طے ہوتی ہے یعنی اگر لوگ کثرت سے ورچوئل کرنسی میں دلچسپی لیں اور اسے خریدنے لگیں تو اس کی قیمت بڑھے گی اور اگر لوگ اسے بیچنا شروع کر دیں اور اس میں دلچسپی لینا چھوڑ دیں تو اس کی قیمت گر جائے گی اور ہو سکتا ہے کہ لوگوں کی عدم دلچسپی کی وجہ سے کسی وقت قیمت بالکل ہی گر جائے۔ اس لیے ورچوئل کرنسی کے بطور تبادلہ یا بطور تجارت استعمال سے لوگوں کو جو ضرر لاحق ہو گا وہ سنگین نوعیت کا ہو سکتا ہے جس میں ایک شخص کو لاکھوں کروڑوں کا نقصان ایک دن میں ہونا نہ صرف ممکن ہے، بلکہ ماضی میں واقع بھی ہو چکا ہے۔

امام شاطبی رحمہ اللہ نے جو ضرر کی اقسام بیان کی ہیں یہ بظاہر ان میں سے آٹھویں قسم بنتی ہے جس میں ضرر خاص نوعیت کا ہو اور کثیر الوجود ہو یعنی نادر الوقوع بھی نہ ہو اور غالب گمان کے درجے میں بھی نہ ہو بلکہ اس کے درمیان کا درجہ ہو۔ اس صورت میں امام شافعی رحمہ اللہ ایسے ضرر کا اعتبار نہیں کرتے اور ان کے ہاں اس فعل کو بجالانے کی اجازت ہے، جبکہ امام مالک رحمہ اللہ ایسے ضرر کا سدِ ذرائع کی وجہ سے اعتبار کرتے ہوئے اس عمل کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو ورچوئل کرنسی کی قیمت کے اتار چڑھاؤ کی وجہ سے جو ضرر لاحق ہوتا ہے وہ خاص نوعیت کا ہے کہ اسے خود نقصان اٹھانا پڑتا ہے اور یہ ضرر نہ تو نادر الوقوع ہے کہ کبھی کبھار ہوتا ہو اور نہ ہی غالب گمان کے درجے میں ہے کہ اکثر ہی ہو جاتا ہو، بلکہ اسے کثیر الوجود کہہ سکتے ہیں کہ کثرت کے ساتھ ورچوئل کرنسی کی قیمت میں اتار چڑھاؤ رہتا ہے۔
لہذا ورچوئل کرنسی کا بطور آلہ تبادلہ یا بطور تجارت استعمال امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں جائز ہو گا کیونکہ ان کے نزدیک ایسے ضرر کا اعتبار نہیں، جبکہ امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں ناجائز ہو گا کیونکہ وہ کثرت کو ظن کے مرتبے میں رکھتے ہیں اور سد ذریعہ کے طور پر اسے ناجائز قرار دیتے ہیں۔

خلاصہ کلام:

کرپٹو کرنسی یعنی بٹ کوائن وغیرہ اس وقت پوری دنیا میں رواج پا رہی ہے اور بہت سے لوگ اس کے ذریعے تعامل اور لین دین کر رہے ہیں۔ زیادہ تر ورچوئل کرنسی کو انویسمنٹ کی غرض سے استعمال کیا جا رہا ہے۔ جب ہم شرعی نقطہ نظر سے کرپٹو کرنسی کی ساخت اور طریقہ استعمال پر غور کرتے ہیں تو ہمیں اس میں چند خرابیاں دکھائی دیتی ہیں جن میں سے ایک ضرر ہے۔ ورچوئل کرنسی میں ضرر عام بھی ہے اور خاص بھی۔ ضرر عام تو اس طرح کہ اس کی تخلیق اور تعامل پر بے تحاشا بجلی خرچ ہو رہی ہے جو کئی ممالک کی بجلی کی مجموعی پیداوار سے بھی زیادہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر ممالک کے لیے مائننگ کا عمل انتہائی مشکل ہے۔ اور ضرر خاص اس طرح پایا جاتا ہے کہ مائننگ کے عمل میں شریک ہونے والے لاکھوں لوگوں میں سے اکثر کا سرمایہ ڈوب جاتا ہے اور انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ صرف چند لوگوں کو اس عمل سے فائدہ ہوتا ہے اور یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو انعام کے حق دار کہلاتے ہیں۔ اسلام کی تعلیمات اس حوالے سے واضح ہیں کہ وہ کسی بھی ایسے عمل کو جائز قرار نہیں دیتا جس میں ضرر کا پہلو غالب ہو اور کرپٹو کرنسی کی تخلیق اور اس کے ساتھ لین دین میں یہ پہلو غالب ہے، لہذا اس کرنسی کے ذریعے تعامل اور لین دین میں احتیاط لازم ہے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

حوالہ جات(References)

[1]ابن ماجہ، محمد بن یزید، السنن، دار احیاء الکتب العربیۃ، بیروت، رقم الحدیث: 2340،

Ibn e Maj ā, Muhammad bin Yazīd, Alsunan, , d ā r Ihy ā al kutub al arabiyah, Beruit, raqam al hadith: 2340,

[2]۔ محمد بن عبد اللہ الاشبیلی، المسالک فی شرح مؤطا مالک، دار الغرب الاسلامی، تونس، 2007 6/409،

Muhammad bin Abdullah al ashbailī, Al Masalaik fī sharh al muatta Malik, Dār algharb alislamī, Tunes, 2007: 6/409,

[3]۔ ابن حمزہ الدمشقی، ابراہیم بن محمد، البیان والتعریف فی اسباب ورود الحدیث الشریف، دار الکتاب العربی، بیروت: 2/291،

Ibn hamza al dimashqi, Ibarhim bin Muhammad, Al bayan wal tareef fī asbaab wurud al hadīth al sharīf, 2/291, Dār al kitab al arabi, Beruit

[4]. مصطفیٰ الزحیلی، القواعد الفقهية وتطبيقاتها في المذاهب الأربعة، دار الفکر، دمشق، 2006: 1/208،

Mustufa al zuhaili, Al qawaid al fiqhiya watatbiqatuha fi almazahib al araba, 1/208, D ār al fikr, Dimashq, 2006

[5]۔ احمد بن الشیخ محمد الزرقاء، شرح القواعد الفقہیۃ، دار القلم، سوریا، 1989 : 207،

Ahmad bin Al sheikh Muhammad Alzarqa, Sharh al qawaed al fiqhiya, 207, Dār alqalam, serya, 1989

[6]۔ السیوطی، عبد الرحمٰن بن ابی بکر، الاشباہ والنظائر، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1990: 83،

Al suyuti, Abdul Rahmān bin abī bakr, Al ashbah wa al nazaer, 83, Dār alkutub AL ilmiyah, Beruit, 1990

[7]۔ الدکتور محمد صدقی، الوجیز في إيضاح قواعد الفقة الكلية مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1996: 259،

AL doctor, Muhammad Sidqi, Al wajīz fī idāh alqawāed al fiqh alkuliya, 259, Moassastu alrisāla, Beruit, 1996

[8]۔ القواعد الفقهية وتطبيقاتها في المذاهب الأربعة: 1/219 — Al qawāid al fiqhiya watatbiqatuha f almazāhib al araba,, 1/219,

[9]۔ ایضاً: 1/238 — Ibid, 1/238

[10]. ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم، الاشباہ والنظائر دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1999: 74،

Ibne Nujaim, Zaynuddīn bin ibrahīm, al ashab wal nazaer, 74, Dar alkutub alilmiyah, Beruit, 1999

[11]. شرح القواعد الفقہیۃ: 243، — Sharh al qawāed al fiqhiya, 243,

[12]۔ القواعد الفقهية وتطبيقاتها في المذاهب الأربعة: 1/208، — Al qawaid al fiqhiya watatbiqatuha fī almazahib al araba, 1/208,

[13]۔ الشاطبی، ابراہیم بن موسیٰ، الموافقات، دار ابن عفان، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، 1997: 3/53،

AL Shātbi, Ibrāhim bin mousā, AL mowāfaqāt, 3/53, Dar ibn e Affān, Al mamlikāt al-Arabiya al saudiā, 1997

[14]۔ مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، دار احیاء التراث العربی، بیروت: رقم الحدیث: 1728،

Muslaim bin al Hujjāj, Sahih Muslim, raqam alhadith: 1728, dār Ihyā al kutub al arabiyah, Beruit

[15]۔ الشاطبی، ابراہیم بن موسیٰ، الموافقات: 3/53

[16] European Banking Authority, *EBA opinion on Virtual Currencies*, Page 11 , July 2014

[17] Marek Dabrowski & Lukasz Janikowski, *Virtual Currencies and central banks monetary policy: challenges ahead*, European parliament, page 7, July 2018

[18] Satoshi Nakamoto, Bitcoin: A peer-to-peer Electronic Cash System, 2008

[19] -https://www.investopedia.com/terms/p/public-key.asp

[20] https://www.investopedia.com/tech/how-does-bitcoin-mining-work/

[21] https://coinmarketcap.com/currencies/bitcoin/